مطبوعات

سیرت خلیفۃ الرسولؐ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از جناب طالب الہاشمی - ناشر: حسنات اکیڈمی لمیٹڈ - ۱۹ سی منصورہ لاہور ۱۸ - کاغذ سفید، کتابت وطباعت صاف، بڑے سائز کے ۶۱۶ صفحات - مضبوط جلد مع سنہری ڈائی - قیمت: ۷۵/- روپے

سیدنا ابوبکر صدیق عتیق کی سنہری شخصیت کے اتنے مختلف پہلو اور گوشے قابلِ توجہ ہیں (اور طالب ہاشمی صاحب نے کسی عنوان کو چھوڑا بھی نہیں) کہ ایک نظر میں موصوف کو دیکھنا اور دکھانا بہت مشکل ہے۔ سوانح نگار کا کام مشکل تھا، مگر تبصرہ کرنے والے کا مشکل تر، کیونکہ اسے تو صرف چند سطریں لکھنی ہیں۔ پس میرا ذاتی تاثر تو اس مصرع میں آجاتا ہے کہ ؎

بعد از نبیؐ بزرگ توئی، قصہ مختصر

بس اسی نکتۂ محبت کی تفسیر ہے جو طالب ہاشمی صاحب نے لکھی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میں بعثت سے قبل ۲۰ سالہ دورِ دوستی گزرا تھا۔ جس میں دونوں ایک دوسرے کو خوب جان سمجھ گئے تھے۔ اس ابتدائی زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کو جو مرتبہ مکہ میں حاصل تھا، اس کا بیان صفحہ ۴۰ سے ۴۴ میں دیکھیے۔ پھر جناب صدیقِ عتیق کی ایک تصویر وہ ہے جو اوّلین "دورِ محنت" کی تھی۔ خود مصیبتیں اُٹھائیں، ساتھیوں اور خصوصاً کنیزوں اور غلاموں پر ظلم ہوتے دیکھے اور ان کو خرید خرید کر آزاد کرایا۔ یہ تصویر صفحہ ۴۶ سے ۵۲ تک کے بیان میں سامنے آتی ہے۔ پھر ہجرتِ حبشہ کا ذکر ہے، دعوتی کام میں رفاقت اور حدیثِ معراج کی بلاجھجک تصدیق کا بیان ہے۔ پھر ہجرتِ مدینہ میں حضورؐ کی رفاقت، غارِ ثور کے لمحات، سراقہ بن مالک بن جعشم سے مڈبھیڑ، ام معبد کے خیمہ تک قدوم کے حالات فلم کی طرح سامنے آتے ہیں۔ پھر مدینہ کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور جلد ہی رمضان ۲ھ

سے غزوات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس میں جناب صدیقؓ حضورؐ کے نہایت قریبی رفیق کی حیثیت سے شامل رہے۔ بیعتِ رضوان کے موقع پر آپ کا کردار تصدیق و استقامت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ واقعات و فضائل تو بہت سے مذکور ہیں۔ مگر آپ کا ایک تو وہ عظیم الشان پارٹ تاریخ میں یادگار رہے گا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حشر آفرین لمحۂ وصال میں آپ نے توازن برقرار رکھ کر اُمت کو تشتت و افتراق سے بچایا اور لوگوں کے حوصلے کو بحال کیا۔ اور حضرت عمرؓ کو جذباتی ہیجان سے نکالا۔ دوسرے آپؓ نے حضورؐ کی وراثت کا معاملہ نصِ حدیث کی بنیاد پر جرأت و صاف گوئی سے طے کر دیا۔ بعد ازاں اپنے دَورِ خلافت میں دو اہم ترین زریں کارنامے ایسے ہیں جو عزیمت، توکل علی اللہ اور سیاست کاری کی مہارت کے لحاظ سے بہت قابلِ مطالعہ ہیں۔ اولین یہ کہ نہایت ایمرجنسی کے سے حالات میں فتنۂ ارتداد کے اُٹھنے اور نئی نئی نبوتوں کے جھنڈوں کے بلند ہونے پر ذرا بھی خوفزدہ ہوئے یا خم کھائے بغیر فتنے کی سرکوبی کے لیے پوری قوت جھونک دینا۔ دوسرے یہ کہ اسی فتنے کے ساتھ ساتھ ایک اور مفسدہ یہ پیدا ہوا کہ مختلف قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر ایک وفد معاملہ طے کرنے آیا اور مشاورت منعقد ہوئی۔ جس کے طرزِ فکر میں کمزوری دیکھ کر جناب صدیقؓ نے ایسے فقرے کہے جن میں دلائل بھی تھے اور جذبۂ عزیمت کا زور بھی، لہٰذا ان فقروں کو سُن کر ساری مجلسِ مشاورت خلیفۂ رسولؐ کی ہم نوا ہو گئی۔ فرمایا:

> "خدا کی قسم! جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا۔ میں اس سے لڑوں گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا ایک بچہ دیتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔" .... دوسرے قول میں فرمایا کہ" خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے اُونٹ کا گھٹنا باندھنے والی ایک رسی بھی مجھے دینے سے انکار کیا جیسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور زکوٰۃ دیتے تھے، تو مَیں اُن سے اس کے نہ دینے پر جنگ کروں گا۔" (ص ۱۶۷-۱۶۸)

حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں جو اشکال پیش کیا اس کا جواب جناب صدیقؓ نے قرآن سے واضح کیا۔ اصل میں جو چیز یہاں مضمر تھی اور جسے مؤلف کو واضح تر کرنا چاہیے تھا وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کا نظام کسی فرد کی ذاتی بادشاہت نہ تھی، اگرچہ اس کی محنتوں اور قربانیوں کا اس کی تشکیل میں عظیم

دخل تھا - یہ خدا کی زمین پر خدا پرستوں کی جماعت یعنی اُمتِ مسلمہ کی ریاست تھی، جس کے اوّلین سربراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے - اور اس دُنیا سے موقت میں حضورؐ کا وصال ہوجانے کے بعد سربراہی کی ڈیوٹی کی امانت اُمتِ مسلمہ نے اپنے بہترین فرد کو سونپ دی - گویا ریاست اب بھی وہی تھی اور اس کا دستور اور اس کا پورا قانون اور اس کا ضابطۂ زکوٰۃ وہی پہلے والا تھا - اور اس دستوری و قانونی نظامِ حقوق و فرائض کے ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے تھے -

اسی خلیفۂ اوّل نے وہ مضبوط اسٹیج تیار کیا جس پر سے حضرت عمرؓ نے اسی ریاست اور اس کی تہذیب کے استحکام و فروغ کے لیے علم، اخلاق، سیاست اور تلوار کی قوتوں کو اس شان سے استعمال کیا کہ مشرق و مغرب عقاب انقلاب کے دونوں بازوؤں کے نیچے تھے -

اہم واقعات اور بھی ہیں - مثلاً حادثہ انک اور مالک بن نویرہ کا قتل، سلسلۂ فتوحات اور خدمتِ قرآن وغیرہ، مگر ہم اتنی دُور تک نہیں جا سکتے -

اس کتاب کے اندر حصہ دوم میں جناب کی شخصیت و کردار کی جھلکیاں دی گئی ہیں - اس حصے میں ذاتی حالات، محاسنِ اخلاق، فضل و کمال، بکھرے موتی، نظامِ خلافت، مالی نظام، عسکری نظام، اولاد، مواخاتی بھائیوں کا ذکر ہے، آخر میں کتابیات ہیں -

مؤلف کے مطالعہ کی وسعت اور عادلانہ نقطۂ نظر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ان کے اندازِ تحریر کی موزونیت پر تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں -

---

عقل پرستی اور انکارِ معجزات از مولینا عبدالرحمٰن صاحب کیلانی - ناشر: ناظم جامع محمدی اہل حدیث - گجرات - ملنے کا پتہ: مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور - صفحات: ۳۴۴
قیمت: ۲۵/- روپے

مغربی فلسفہ و فکر کا ہمارے ہاں ایک اثر یہ پڑا کہ نیچر یا قانونِ فطرت کے تحت تمام واقعات ہوتے ہیں - اُن کی زد سے پیغمبر، ولی، فرشتے اور معجزات کوئی بھی باہر نہیں - اب مشکل یہ پیش آئی کہ قرآن میں بعض واقعات کا بیان ایسا ہے کہ یا تو آپ لفظوں سے نئے معانی پیدا کریں یا ہر بات کو استعارہ

بنا دیں ۔ اس کے باوجود بھی کسی حد تک مضحکہ انگیزی باقی رہتی ہے ۔ یہ دراصل سیکولر فلسفے کی بھنگ تھی ۔

پردۂ غائب میں رہ کر تمام کائنات کی کار پردازی کرنے والے خدا کے خلاف ۔ تمام منکرینِ معجزات نے احادیث سے بھی جان چھڑانے کی کوشش کی ۔ قرآن کے نصوص کے تازہ بہ تازہ معانی ایجاد کرنے کی فکر کی ۔ شریعت کے قوانین و حدود کو ترک کر کے دوسرے قانونی نظاموں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اجتہاد کا ایک جدید الجدید تصور پیش کیا ۔ بعض حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کے لیے ہیر پھیر کیے ۔

اِس خاص فکری انداز کے حاملین ہر دور میں پہچانے جاتے ہیں ۔ ایسے ہی ایک صاحب مولانا عنایت اللہ اثری صاحب (متعلق بہ اہل حدیث) ہیں ۔ اِن صاحب کی فکری اور بیانی جِدّتوں کا بڑا شاندار گلدستہ بنا کر مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیلانی نے پیش کیا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے رنج و غم کے آنسوؤں کی شبنم بھی ان پر ٹپکائی ہے ۔ اثری صاحب کی دو کتابیں "القول المختار" اور "بیان المختار" کے مندرجات ان کے پیش نظر ہیں ۔

اثری صاحب کی باتیں (خدا کے ہاں جو بھی درجہ پائیں) افسانے کی طرح دلچسپ ہیں ۔ مثلاً حضرت سیدہ مریم کے متعلق ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

حضرت مریم کا پہلے سے نکاح تھا ، مگر کبیدہ خاطر ہو کر میکے چلی گئی تھیں (مَكَانًا شَرْقِيًّا) میاں بیوی میں اَن بَن ہو گئی ، وہاں جا کر وہ رُک گئیں (فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا) پھر اس کے سامنے فرشتہ بھیجا گیا ۔ (یعنی شوہر انسانی قوٰی سے محرومی کی وجہ سے گویا فرشتے کی طرح تھا) وہ اس کے سامنے ٹھیک شکل میں گیا ۔ (یعنی دوا و دُعا سے اس کی تکالیف رفع ہو چکی تھیں) یہ الہام حضرت زکریا نے شوہر مذکور کے ہاتھ بھیجا تھا کہ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۔ (یعنی اب خرابی نہیں رہی ، اب میں تمہیں ٹھیک ٹھاک لڑکا دے سکتا ہوں ۔ (یہ بھی فرمایا کہ یہ ساری باتیں خواب میں ہوئیں) ۔ خیر شوہر صاحب اب بے رغبتی کی بیماری سے شفا پا کر سامنے چلے گئے ، (فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا) ، مگر مریم نے وہی شکایت کی جو واپسی سے مانع ہو گئی اور طلاق کا مطالبہ کیا ۔ (إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ) ، شوہر نے جواب میں اپنی صحت کا حال بھی سنایا اور اللہ پاک کا الہام

بھی۔ پھر مریم شوہر کے ہمراہ روانہ ہوگئیں اور گھر آباد ہوئیں۔ امید ان کا حمل ہوا اور شوہر سفر پہ بھی چلا گیا۔ پھر وہ جِذعِ النَّخْلَةِ تک پہنچیں اور شوہر بھی آ گیا۔ کھجور کے مالک نے جو ذرا نیچے تھا اور کھجوریں بیچ رہا تھا۔ اُس نے از راہِ ہمدردی حضرت مریم کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ کھجوریں درخت سے اُتار کے کھالے اور نیچے کی جانب یہاں چشمہ بہہ رہا ہے، اس سے پانی پیے۔ تکلّم فی المھد کی اُلجھن یوں حل کرتے ہیں کہ مہد میں کہل اور کہل میں مہد ہو سکتا ہے۔ اشارت الیہ کا مشارٌ الیہ اثری صاحب کے نزدیک حضرت عیسیٰ نہیں ہیں، بلکہ زکریا مراد ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی نکاح پڑھایا تھا اور وہی جواب دے سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا معاملہ یوں سمجھاتے ہیں کہ "ہو سکتا ہے کہ وہ فتنہ و فساد کی آگ ہو، جسے اللہ پاک نے ٹھنڈا کر دیا ہو۔" اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سچ مچ اُنہوں نے آگ ہی جلانے کا ارادہ کر لیا ہو ——— کام بالکل تیار تھا، مگر اللہ پاک نے آپ کو بال بال بچا لیا۔

ذبحِ اسماعیل علیہ السّلام کا قصّہ یوں بیان کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب اُن سے خواب کا قصّہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ آپ فی الحال ظاہری طور پر خواب پورا کر لیں، بعد میں حکم ہو تو میری جان حاضر ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کو لٹا کر خواب والی شکل پیدا کر لی۔ حکم آیا کہ بس ابراہیمؑ تو نے وہ نقشہ تو پورا کر دیا۔ اب بعد میں کوئی اچھی سی قربانی دے دینا۔

وادیٔ نمل کا قصّہ یوں بیان ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے اس وادی کی طرف ڈیرہ ڈال دیا۔ وہاں کی رانی نے (ارکانِ حکومت سے) مشورہ کر کے سب کو خانہ بند ہونے کا حکم دیا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ہم جنگ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر یہی مضمون قاصدوں کے ہاتھ لکھ کر تحائف کے ساتھ بھیجا، جسے دیکھ کر حضرت سلیمانؑ خوش ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ کے قصّہ میں "عفریت من الجن" اور "الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ" کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں اثری صاحب ٹھیکیدار قرار دیتے ہیں، جن سے حضرت سلیمانؑ نے ٹینڈر لیے کہ بلقیس کے تخت جیسا تخت کون مہیّا کر سکتا ہے۔

اصحابِ کہف کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ باتیں عقل و فکر کے سراسر خلاف ہیں کہ وہ تین سو سال تک غار میں سوتے رہے۔ پھر اٹھ کر کچھ کھایا پیا۔ پھر جو سوتے تو آج تک نہیں جاگے۔

اب اس سلسلہ مضحکات کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ نہ کافی وقت ہے اور نہ فالتو صفحات شائقین ہمارے اشاروں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کیسا عالمانہ سیلابِ ہلاکت ہے۔

حدیث کا درایتی معیار | تالیف: مولینا محمد تقی امینی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

ناشر: قدیم قومی کتب خانہ مقابل آرام باغ۔ کراچی۔ قیمت مجلد ۳۲/- روپے

جہاں تک میں نے مولینائے محترم محمد تقی امینی کو تھوڑا بہت جانا ہے۔ میں ان کو زمرۂ اہلِ حق میں سے سمجھتا ہوں اور ان کی اس کتاب کو جس کو لکھتے ہوئے ان کے سامنے دینی علوم کے ساتھ ساتھ آج کا فکری و تمدنی ماحول بھی ہے یہ بہت سی مفید بحثوں کا مجموعہ ہے۔ باتیں علمی زبان میں ہیں۔ عام مولویانہ یا مناظرانہ انداز نہیں ہے۔ مولینا کا انداز فکر بتاتا ہے کہ وہ حقائقِ دین سے پوری وابستگی رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید طبقوں کی اُلجھنوں کا مداوا بھی چاہتے ہیں، اس لیے دوسروں سے کچھ زیادہ آگے قدم بڑھاتے ہیں، بلکہ سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ۔ ان کے بیان میں اسلامی جدیدیوں اور اجتہادیوں کا کوئی اثر نہیں۔

ان کا اصل مبحث یہ ہے کہ صحیح حدیث کو کیسے جانا پہچانا جائے۔ اس کے لیے وہ پرکھ کے خارجی معیار بھی بتاتے ہیں اور داخلی بھی۔ یعنی روایت و سند کے قاعدے بھی اور درایت کے اُصول بھی۔ درایت کے اُصول جن کو کٹر روایت پسند گروہ بالکل تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اپنی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کو نمبروار بیان کرکے امینی صاحب نے بڑا علمی کام کیا ہے۔

میرے سامنے تقی امینی صاحب کا ایک اور مقالہ بھی اسی موضوع پر ہے۔ یہ شامل ہے "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" میں (ص ۱۰۷ تا ۱۱۶) اس میں درایت یا داخلی جانچ کے ۲۴ اُصول بیان کیے گئے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی یہ باتیں اور بھی علما نے پہلے بھی لکھی ہیں۔ مسئلہ صرف ان نازک فروق کا ہوتا ہے جو انسانی ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ نے لکھا کہ کوئی حدیث عام مشاہدہ اور عادت کے خلاف

نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا ایک غیر محتاط مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرے سے معجزات کا انکار کر دیا جائے۔ حالانکہ قرآن نے ان کا ریکارڈ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ بے شمار اقوام کے مشاہدات و تجربات میں داخل ہیں۔ آپ نے کہا کہ کوئی حدیث عقلِ عام کے خلاف نہ ہو۔ منکرینِ حق کا تو کہنا ہماری اکثریت کے لحاظ سے یہی تھا کہ گلی سڑی ہڈیوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا ناقابلِ تصور ہے۔ وہ تو لمبی لمبی دعوتی جدوجہد اور استدلال اور تحملِ شدائد کے بعد حضورؐ اور مسلمانوں نے آہستہ آہستہ لوگوں کو قائل کیا۔ ورنہ بہ اولِ وہلہ تو بات عقلِ عام کے خلاف تھی۔ آج بھی دین کی صدہا باتیں ایسی ہیں کہ ان کو دُنیا کی —— یا کم سے کم مغرب کی —— عقلِ عام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مسلمان دُنیا کا قلیتی گروہ ہونے کی حیثیت سے اپنی جگہ کسی بھی چیز پر ایمان رکھ سکتے ہیں۔

بات متفق قواعدِ طب کے خلاف نہ ہو۔ ایک تو متفق قواعدِ طب کا پایا جانا ممکن نہیں۔ دوسرے قواعدِ مرض و علاج میں تواتر تغیر مسلسل ہو رہا ہے۔ اندریں صورت طب کو کیسے معیارِ فیصلہ بنایا جاسکتا ہے۔

اِسی طرح تاریخی حقائق کے بارے میں طے کرنا ہوگا کہ کیا چیز تاریخی حقیقت ہے اور کیا محض نظریہ یا قصہ کہانی، اور اس کا مُؤثر و ثوق ثبوت کیا ہے۔

پھر آپ کہتے ہیں کہ چھوٹے کام پر بھاری ثواب کا ذکر جس حدیث میں ہو وہ درایت کے معیار سے ساقط ہوگی۔ محترم مولینا! تمام دین ہی میں چھوٹے چھوٹے کاموں کا بڑا بڑا ثواب مذکور ہے۔ جس فطرت اللہ کے قوانین کے تحت بیج سے درخت اور درخت پر پھل نمودار ہوسکتا ہے، جن قوانین کے تحت کھیتی لہلہاتی ہے اور کسانوں کو پھلی لگتی ہے۔ جن قوانین کے تحت دوا کی رتی رتی بھر کی خوراک دو من جسم کو پچھاڑ بھی سکتی ہے اور ہلکا پھلکا شاداب بھی کر سکتی ہے، وہاں ادائے فرض کرنے اور حرام سے بچنے والے بندے کی عبادتیں اور صدقات، کمزوروں کی خدمات، یتیموں سے محبت، لوگوں سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملنا، راستے سے گندگی یا کوڑا ہٹا دینا۔ یا کبھی دلی جذبات میں ڈوب کر اللہ کی محبت یا خشیت یا اس کی طلب، عفو و رحمت کے ساتھ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی دُعا کرنا، بڑے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ انسانوں کی اجتماعی زندگی میں کبھی ایک نگاہ، ایک لفظ، ایک پیسے کا لین دین، ایک مسکراہٹ، ایک "نہیں" ایک چیں بر جبیں بڑے

بڑے معاملے اِدھر یا اُدھر طے کر دیتی ہے۔ ہمارا ایک خیال و احساس ہمارے لیے ہدایت اور نیکی کے دروازے کھول سکتا ہے۔ اور ہمارا ایک حیوانی جذبہ اور ہماری ایک بہیمانہ خواہش ہمیں جہنم کے راستے پر دھکیل سکتی ہے۔

چھوٹے اجر اور بڑے اجر، یا تھوڑی سزا یا بہت سزا کے معاملے اس دنیا میں بیٹھ کر طے کرنا، جہاں ساری بڑی حقیقتیں پردۂ غیب کے پیچھے ہیں، محال ہے۔ یہ مسئلہ بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ مگر مجبوراً میں اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

میرا مدعا یہ ہے کہ اجتہادیوں کو بچاتے بچاتے ہمارے اچھے لوگ کہیں خود بعض حقائقِ دینیہ سے دُور نہ جا پڑیں، یا خود بچ بھی جائیں تو اپنے قارئین کو غلط فکری میں مبتلا کر جائیں۔

متاعِ آخرِ شب | مجموعہ کلام جناب حفیظ میرٹھی۔ ناشر: الکتاب، حیدرآباد۔ ملنے کے کئی پتوں میں سے ایک: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۱۰۰۰۶۔ (بھارت) قیمت: ۴۰ روپے

خدا پرستوں کے جس نئے قافلۂ ادب کے لیے آج سے تقریباً آدھی صدی پہلے کچھ لوگ راستہ بنا رہے تھے، اس کا ایک جنوں کیش راہی حفیظ میرٹھی، کڑی دھوپ اور گھور اندھیروں اور کڑکتی بجلیوں میں کانٹوں کو روندتا ہوا مسلسل بڑھ رہا ہے ـــــ کیا معلوم وہ کہاں پہنچے گا۔

اُس نے چھوٹے چھالوں سے جو پھول کھلتے رہے انھیں وہ شعر کے نظرافروز پیرائے میں ہمارے سامنے لایا ہے۔ زندگی کے متعلق ایک نقطۂ نظر رکھتے ہوئے، شدید تہذیبی اور فکری تصادموں سے گزرتے ہوئے، ذاتی احساسات اور تحریکی جذبات کو ہم آہنگ کرتے ہوئے اس نے جو علم آموز مجموعہ کلام ہمارے سامنے رکھا ہے وہ گراں بہا بھی ہے اور نادر بھی ـــــ اور فنی سامراج کے جادو سے بچتے ہوئے تمام لوگ بڑے فخر سے اسے دوسروں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں کہ یہ ہمارے ہی نالۂ ہائے کرب کی صدائے بازگشت ہے ـــــ ہم جو صدیوں پہلے بھی یہی سفرِ کرب طے کر رہے تھے، آج بھی اور صدیوں بعد بھی ہمارا راستہ یہی ہوگا۔ لیکن

ان خارزاروں کی جگہ خیابان اور شبستاں نمودار ہو چکے ہوں گے۔

چند شعر:-

گھبرا کے مسلمان یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے — کیا چھوٹ گیا ہاتھ سے دامانِ محمدؐ (نعت)

تُلے ہیں قتل پہ پھولوں میں تولنے والے — اک ایسا بول ہیں جھوٹوں کے درمیاں بولا

موجِ مے سے تراشا ہوا اندازِ خرام — آپ چلتے ہیں کہ چلتی ہے صبا پانی پہ

میدانِ کارزار میں آئے وہ قوم کیا — جس کا جوان آئینہ خانے میں رہ گیا

بازارِ زندگی سے قضا لے گئی مجھے — یہ دور میرے دام لگانے میں رہ گیا

درد پہ تبصرہ تو بہت ہو چکا — درد کو آپ محسوس بھی کیجئے

نہ ہوں حیران میرے قہقہوں پر مہرباں میرے — فقط فریاد کا معیار اونچا کر لیا میں نے

سنائی پھر نہیں دیتی ضمیر کی آواز — دلوں پہ جب سرو ساماں سوار رہتے ہیں

سمجھ رہا تھا کہ محفوظ اپنے گھر میں ہوں — مگر یہ گھر نے بتایا کہ میں بھنور میں ہوں

ہو گئے لوگ اپاہج یہی کہتے کہتے — ابھی چلتے ہیں، ذرا راہ تو ہموار ہے

جدا ہے سارے زمانے سے اپنے فن کا مزاج — نہ کوہ کن سے ملا اور نہ تیشہ گر سے ملا

بغیر کسی انتخاب کے جو شعر سامنے آیا، میں لکھتا گیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ "متاعِ آخرِ شب" ساری کی ساری دکانِ لعل و گہر ہے۔

اِن صفحات میں زیادہ لکھنا ممکن نہ تھا۔ سیارہ میں تفصیلی تبصرہ آسکے گا۔

بابری مسجد اور ہندوستانی مسلمان | مؤلف: راشد شاذ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف مسلم اُمّہ افیئرز۔ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱۔ انڈیا۔ پوسٹ بکس ۷۷۔ قیمت: ۳/- روپے

اچھے کاغذ اور خوبصورت طباعت کے ساتھ بڑا فکر طلب اور تشویش انگیز مقالہ ہمارے سامنے ہے۔ جب کسی ملک میں بگاڑ اور کسی قوم کے لیے مصیبت کا لمحہ آتا ہے تو صحیح توازن کے ساتھ تاریخی ڈرامے کی شریک قوموں کو سمجھنا اور اُن کی ذمہ داریاں متعین کرنا، اور ان میں سے کسی کو تباہی سے بچ نکلنے کی نازک پل صراط دکھانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا جسے خوبصورت ادبی انداز اور درمندانہ طرزِ فکر کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کر دیا جائے۔

پھر فتنہ کی آگ کو بھڑکانے اور اس سے جھلسنے والوں کو علامت کے انداز سے کوئی ہدایت کرنا یا کوئی امتناعی حکم سنانا نہایت غیر عملی مشغلہ ہے۔ طوفان کے اُترنے کے بعد اس کا تجزیہ کیجیے اور آرام سے لوگوں کو سمجھائیے۔

پھر میدانِ تاریخ میں ٹکراتی ہوئی قوتوں کی روش پر محاکمہ کرنا ادنیٰ درجے میں صحافتی کا اور اونچی سطح پر مؤرخ کا کام ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں حالات کی رَو کو اچھے رُخ کی طرف موڑنے کے لیے کام ہی نہیں کر رہے ہوتے۔ مؤثر قوت وہ لیڈر ہوتا ہے، جس کے استدلال کا گہرا اثر تو دونوں جانب پڑے، مگر کم سے کم وہ کسی ایک قوت کو اپنے ساتھ لے کر کسی پسندیدہ راستے پر چلا سکے۔ اس پمفلٹ کا مقالہ نگار کم سے کم آخری نوعیت کا کردار نہیں ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی تحریروں میں بیان شدہ ادھوری حقیقتوں کے اثراتِ بد اس کشمکش میں کمزور قوت کو اور بھی خراب کریں گے جو اٹل طریق سے درپیش ہے۔

معاملے کی بنیادی ریڈنگ ہی درست نہیں۔ یعنی یہ بات کہ پاگل اکثریت اگر تمہارے گال پر

تھپڑ مارے تو اگر تم خوشی سے دوسرا گال آگے نہیں کرو گے تو اس کے تعصب کی آگ اور بھڑک جائے گی۔ حالانکہ یہاں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے تعصب کی ایک لمبی تاریخ ہے اور اس کا ریکارڈ موجود ہے۔ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمان کو کچلنے اور ذلیل کرنے کی کوشش کی اور مسلمان قربانیاں دے کر اپنی سخت جانی کی وجہ سے ہزار خرابیوں اور کمزوریوں کے باوجود بھی زندہ رہا۔ "مسلم امہ انسٹی ٹیوٹ" کے نقطۂ نظر کے مطابق بابری مسجد پر جونہی ہندوؤں میں شوق قبضہ نمودار ہوا تھا، مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ ریزولیشن پاس کر کے اور وفد بھیج کر درخواست کرتے کہ ہمیں بڑی مسرت ہوگی اگر آپ اس مسجد پر قبضہ فرمالیں، بلکہ اور بھی جہاں جہاں ہماری مسجدوں کو آپ مندر بنانا چاہیں، بصد شوق بنالیں۔ ہم مسلمان لوگ تو صرف تبلیغ کا کام کرتے ہیں، سو وہ کرتے رہیں گے۔ تاآنکہ ایک دن خود ہی تم ہماری مسجدیں ہمیں واپس دے دو گے۔

سوال یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں جانوں پر حملہ کرتے ہیں اور جہاں کہیں عصمتوں کو تاراج کرتے ہیں، وہاں یہ بھکشوؤں والی پالیسی کیا تقاضا کرے گی؟

اور ہندوستان ہی کا معاملہ نہیں۔ اگر آسام میں، برما میں، اسرائیل میں، افغانستان میں، فلپائن میں، یوگوسلافیہ میں، یونان میں کہیں بھی مقاومت دکھا رہے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں۔ "سچا اسلام" تو اُن کو یہ راہ دکھاتا ہے کہ سب کچھ چپ چاپ مخالفوں کے حوالے کر دو اور پھر تبلیغ کرو۔ بلکہ بلکہ جن مسلمانوں نے تاتاریوں کا عین موسلی پر مقابلہ کر کے اُن کو شکست دی تھی اور صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کا جو پارٹ رہا۔ اور عربی اور افریقی اسلامی ممالک میں اور خود برّصغیر میں مغربی استعمار کی مزاحمت میں مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ سب انسٹی ٹیوٹ آف امت مسلمہ افیرز کے نقطۂ نظر سے اسلامی ذمہ داریوں سے انحراف کا سبب تھیں۔

آج اگر ترکیہ کی ایماندار لڑکیوں نے سر ننگا رکھنے کے حکم کو چپ چاپ مان لیا ہوتا تو کیا ان پر فرشتے مبارک باد کے گلدستے پھینکتے، یا مسلمانانِ عالم تحسین کے لالہ و گل نچھاور کرتے۔ ان مجاہدات نے پردے کے ایک حکم کے تحفظ کے لیے جنگ لڑی اور کامیاب رہیں۔

بھارت کی ہندو اکثریت ایسے اسلام کی جڑیں کھود دینا چاہتی ہے، جو انفرادی عقیدوں اور ذاتی اخلاقیات اور ٹھنڈے ٹھنڈے بلکہ فدویانہ لفظوں سے ذرا بھی آگے بڑھنا چاہے۔

اسلام کی بنیاد پر کوئی مضبوط اجتماعیت بنے، یا اسلامی نظام کا کوئی تصور راسخ ہو یا اسلامی تہذیب کا کوئی نقشہ پیش نظر رکھا جائے۔ یا دستور، سیاست، معیشت اور معاشرت کے قانونی معاملوں میں مسلمان کسی خاص رجحان کو پسند کریں بلکہ پسند کرنے کی جرأت کریں تو ایسے اسلام کے لیے بھارت تو کیا مسلمان ریاستوں میں بھی کھلی جگہ نہیں۔

یہ سارا فلسفہ کھڑا کیا گیا ہے، مسلمانوں پر قوم پرستانہ رجحانات کا الزام رکھتے ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی دور میں صحیح اسلامی تنظیمیں موجود نہ رہیں اور اگر موجود ہوں تو انہیں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے لئے فرصت نہ ہو بلکہ وہ ایسی دلچسپیوں کو تباہ کن سمجھیں تو آخر اور کسی نہ کسی نوع کی اجتماعتیں تو ابھریں گی اور وہ کام کریں گی۔ آپ کا کام ان سے الجھنا نہیں (جیسا کہ آپ ہندو اکثریت سے الجھنے سے اتقا کرتے ہیں) آپ اپنی تبلیغ میں محو رہیئے۔ لوگ اپنے مسائل کو خود حل کرتے رہیں گے۔

آج بولنا اسے چاہیئے جو اس وقت کی صورت حالات میں بھی مسلمانوں کے لئے امید وتقویت کا ذریعہ بنے اور مستقبل کے لئے بھی ان کی اجتماعیت کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر مضبوطی سے کرے۔ وہ کام مثلاً سو سال بعد نتیجہ دے گا۔ لیکن اس سے پہلے موجودہ مسلمانوں کو مظلومیت اور ناامیدی اور پریشان نظری کی قوتوں کے ہاتھوں تباہ وبرباد تو نہیں ہونے دیا جاسکتا۔ وہ قومیت کے سہارے پر بھی زندہ رہیں تو اس کا امکان ہے کہ ان میں سے ایک ایک فرد کو آہستہ آہستہ اسلامیت کی بنیادوں پر لایا جاسکے۔

مختصر یہ کہ تبصرہ نگار متذکرہ پمفلٹ میں پیش کردہ فلسفہ طرازی کو نہ مسلمانوں کے موجودہ حالات میں مدد دینے کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نہ مستقبل میں ان کو کوئی غیرت مند تہذیبی قوت بنا سکتا ہے۔

"امتہ افرینڈ" سے وابستہ برادران کو چاہیئے کہ وہ بابری مسجد اور دوسرے موضوعات ومسائل کو خارج از بحث رکھیں کیونکہ ان کا نقطۂ نظر اسی کا متقاضی ہے۔ ان میں سے ہر فرد پمفلٹ کی سرِ عنوان آیت کے مطابق "اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔" باقی کام خدا کے دوسرے عزیمت دار مسلمانوں پر چھوڑ دیں۔

خونِ حرمین از مولانا سید غفور شاہ صاحب الحسامی۔ ناشر: عامر اکیڈمی، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور ۱۶۔ صفحات: ۸۸ قیمت: ۶/- روپے

ہم مسلمانوں کی کتابِ تاریخ ایسے بہت سے ابواب رکھتی ہے جو ہمارے خون سے لکھے گئے۔ انھی میں سے ایک دورِ شریفِ مکہ کا دور ہے۔ جبکہ انگریزوں نے ہمارے مقاماتِ مقدسہ، شعائرِ دینی اور عام حقوقِ انسانی کی حد درجہ بے احترامی کی۔ انگریزوں کی ترک دشمنی نے دنیائے عرب میں یہ شورش اٹھائی کہ ادارۂ خلافت کے "نام" سے جو وحدت دولِ اسلامیہ میں قائم تھی اور خصوصاً ترکوں کو جو فعلاً نزدِ کل عرب ممالک اور فلسطین و مصر وغیرہ میں حاصل تھا وہ ختم ہو تاکہ ترکوں کے خلاف انگریزوں کا جنگی انتقام بھی ہو جائے اور مسلمان ممالک و اقوام کو پارہ پارہ کر کے استعمار کی تیز رفتار پیش قدمی کے لیے راستے بھی بنائے جائیں۔ تقریظی سطور مولانا محمد سعید الرحمن علوی صاحب نے لکھی ہیں —— داستانِ درد کا آغاز مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تحریر کردہ ایک رسالے کے اقتباسات سے ہوتا ہے۔

حجاز کے سواحل میں عربوں کو مخاطب کر کے یہ اشتہار ہوائی جہازوں سے گرائے گئے کہ تم ترکوں کو نکال دو، برطانیہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ چنانچہ آج تک مسلمانانِ عالم سے خیر خواہی ہوتی چلی آرہی ہے۔

عرب کے لیے غلہ کی رسد بند کر دی گئی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ جبل بوقبیس اور مکہ کے مقبرۂ شہداء پر توپیں نصب کی گئیں۔ ترکی افسروں، خواتین اور بچوں پر گولہ باری کی گئی۔ طائف پر گولہ باری کی گئی۔ مدینہ دو برس کے لیے محصور رہا۔ فاقہ کشی ایسی کہ قبروں سے مردے نکال کر بھوک مٹانے کے واقعات ہوئے، حاجیوں کو سخت اذیتیں دیں، ان کا مال لوٹنا، بے محابا ان کے خون سے ہاتھ رنگنا۔ خاص منصوبے سے ان پر بدوؤں کے حملے جن سے نجات کے لیے فی اونٹ ایک خاص غنڈہ ٹیکس کی ادائی۔ مسجد نبویؐ کی روشنی کا انتظام ختم۔ مسجد کے قالین چوری ہو گئے۔ مکہ کی گلیوں میں مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر گھسیٹا گیا۔ پردہ نشین عورتیں انگریزوں کی قید میں چلی گئیں۔ کعبہ کے سامنے مسلمانوں کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ غلافِ کعبہ کو آگ لگا دی گئی۔

اب ساری کتاب تو لکھی نہیں جاسکتی۔ عبرت اندوزی کے لیے خود پڑھیے۔ انگریزوں نے ترکوں اور عربوں

کو ہمیشہ کے لیے کاٹ کر ایسے مفاد حاصل کیے۔ اور مسلمانوں پر جا بجا وہ قہر ڈھائے کہ ان کی کوئی تلافی نہیں۔ ایک مستقل فلسطین ہی کتنا خوفناک ہے جو مسلمانوں کے افتراق کی بنا پر پیدا ہوا۔

کیا سپر پاور زاور مغرب کی پیش رو حکومتیں اسی طرح ہمیں بے وقوف بنا کر استعمال کرتی رہیں گی۔

چادر اور چار دیواری	سید مظہر علی ادیب۔ ناشر: مکتبہ السفیر، اردو بازار لاہور ۲۔

قیمت: ۹ روپے۔

سید مظہر علی ادیب بہت صاف ستھرے ذہن کے ساتھ دولتِ ایمان اور سعادت مطالعہ سے بہرہ مند ہیں۔ مغرب کی الحادی اور مادہ پرستانہ تہذیب نے انسانوں کو حیوانی سطح پر لا کر عورت کو آزادی اور مساوات کے نام پر جس طرح گھروں سے نکال کر گھروں کو اجاڑا ہے اور باہر عورت کو جن دردناک صورتوں میں نشانۂ استحصال بنایا ہے۔ مظہر ادیب اس کا خاص مطالعہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف قرآن و حدیث کی تعلیم کو بھی جانتے ہیں۔ پس اس موضوع پر ایک ماہر کی حیثیت سے لکھتے ہیں۔

چادر اور چار دیواری میں موجودہ غیر اسلامی معاشرت کے بگاڑ کی عبرتناک تصویر بھی دکھائی دیتی ہے اور اسلامی تہذیب کی پاکیزہ فضائیں بھی سامنے آجاتی ہیں۔ اس تقابلی مطالعہ سے ہر معقول آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ راہِ حق اور راہِ امن و نجات کدھر ہے۔

چنار	میگزین گورنمنٹ کالج، گڑھی دوپٹہ، مظفر آباد۔

ایک کالج کے طلبہ نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اتنا ضخیم اور شاندار رسالہ مرتب کر کے بڑی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ مضامین میں عنوانات اور اسالیب اور لکھنے والوں کے لحاظ سے بڑا تنوع ہے۔ ۲۸۴ صفحے بھرتی کی تحریروں کے بغیر تیار کر لینا قابل تحسین ہے۔

العلم	سہ ماہی مجلہ۔ الطاف علی بریلوی۔ مدیر: سید مصطفیٰ علی بریلوی (علیگ)

بہ اہتمام: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی۔ پتہ: ۱۔ سی ۴۵/۱۰ ناظم آباد کراچی۔ قیمت خاص نمبر/۱۵ روپے۔ عام شمارہ ۵ روپے۔ چندہ سالانہ/۲۰ روپے

سید الطاف علی بریلوی شرافت کا ایک خاص معیار رکھتے تھے۔ برسوں اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کی خدمت کی اور تعلیمی مسائل پر ان کی بہت سی کتب شائع ہو کر پایۂ اعتبار حاصل کر چکی ہیں پھر وہ شعر و ادب کے بھی خادم تھے۔ کچھ ہی عرصہ قبل ان سے تعلقات کا آغاز بذریعہ خط و کتابت ہوا اور خیال تھا کہ ملاقات ہوگی۔ مگر پھر میرا کراچی جانا ہی نہ ہو سکا۔ العلم آتا رہا اور ذہنی رابطہ قائم رہا۔ ۲۴ ستمبر ۸۶ء کو وفات ہوئی۔ العلم کا حالیہ خاص نمبر ان کے لئے وقف ہے۔ قریبی رابطہ رکھنے والوں کے مقالات میں مرحوم کی زندگی کے بہت سے پہلو اور کردار کے بہت سے گوشے سامنے آتے ہیں۔ متعدد اہم شخصیتوں کے پیغامات شامل ہیں منظوم احساسات اور تاریخی قطعات بھی درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نمبر خاص اہمیت رکھتا ہے۔

کوہسار | گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج راولپنڈی کا نمائندہ آرگن۔ مدیران پروفیسر احمد و دیگر حضرات۔

بالاختصار رائے دیتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ نگارشات کی رنگارنگی کے باوجود ان کا معیار اچھا خاصا بلند ہے جس سے ظاہر ہے کہ زندگی کے میدان میں آنے والی نئی صفیں بڑی قابلیت کے ساتھ آرہی ہیں۔ حمد و نعت، اسلامیات، تحسین و تنقید، نظمیں، غزلیں، فکر و نظر افسانہ و انشائیہ، طنز و مزاح، ڈرامہ اور متفرق جیسے ابواب کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کامیاب پیش کش پر مرتبین کے لئے ہدیہ تبریک۔

الاخبار | مدیر: زین العابدین۔ مقام اشاعت: ۱۵۰ نواب پور روڈ ڈھاکا (بنگلہ دیش)
قیمت بنگلہ دیش دس ٹکا، پاکستانی بیس روپیہ (غالباً سالانہ)

یہ اخبار "الاخبار" ہمیں خاص طور پر اس لئے عزیز ہے کہ یہ ڈھاکا بنگلہ دیش کا اخبار ہے اور وہ سرزمین ہمارے دلوں سے جدا نہیں۔ اخبار کا مواد تین قسم کا ہے۔ سیاسی، ادبی اور دینی۔ سیاسی لحاظ سے ان تمام مسائل پر نوٹ اور بحثیں ہیں جو بنگلہ دیش، بھارت، پاکستان، اسلامی دنیا کے حوادث یا عالمی حالات سے متعلق ہیں۔ ایک سرخی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے متعلق بھی ہے ادبی نگارشات یہ ہیں: ایک روئیداد سفر (یوسف حسن) انٹرویو (مجنوں گورکھپوری سے) نظمیں۔ تلاش، گزرتے لمحوں کا قرب، ایک ہی رشتہ۔ غزلیں: قدوس صدیقی، شمیم زمانوی

اکرام الحق اور نگ ۔ افسانے ؛ دلیوار ۔ ایک چہرہ کئی روپ، نئی منزل کے مسافر، جاگتی آنکھوں کا خواب، ننھا نے خودکشی کر لی (سچی کہانی)۔ دینی پہلو سے ۔ "حج کی فضیلت" "علمائے امت کا کردار"

الاخبار مواد کے اعتبار سے بھی اور زبان کے اعتبار سے بھی بہت اچھا معیار رکھتا ہے ۔ امید ہے کہ فروغ حاصل کرے گا ۔

مقتدرہ قومی زبان کے رسائل | ناشر: ڈاکٹر وحید قریشی ۔ مقتدرہ قومی زبان، مکان ۱۸ گلی نمبر ۳۲، سیکٹر ۸/۱، اسلام آباد ۔

اس سے قبل بھی رسائل کا ایک سیٹ مقتدرہ کی طرف سے شائع ہوا تھا اور ہم نے ان صفحات میں تعارف کرایا تھا ۔ اب پھر ایک سیٹ موصول ہوا ہے ۔ نہایت اچھی طباعت اور رنگین سرورقوں کے ساتھ حسبِ ذیل مقالات مل سکتے ہیں ۔

۱۔ سیکرٹری ایٹ انسٹی ٹیوٹ (اردو ونگ) از معین احمد صدیقی
۲۔ براہوئی سے اردو ترجمہ ۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر ۔
۳۔ سید مسعود حسن رضوی، ادیب ۔ (کتابیات) از ڈاکٹر طاہر تونسوی ۔
۴۔ آغا حشر کاشمیری (کتابیات) از ڈاکٹر اے بی اشرف ۔
۵۔ سعادت حسن منٹو (کتابیات) از ڈاکٹر علی شاہ بخاری ۔
۶۔ شرعی عدالت میں ترویج اردو ۔ از ساجد الرحمن صدیقی ۔
۷۔ اردو نامہ ۔ لاہور کے منتخب ادارے ۔ از میاں محمد اسلم ۔
۸۔ سعودی عرب میں اردو ۔ از محمد حنیف شاہد ۔

ان کا مطالعہ اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہایت مفید رہے گا قیمت کسی پہ درج نہیں ۔